

# تحریک آزادی جموں و کشمیر — اور افضل گورو کی شہادت

پروفیسر خورشید احمد

بات بہت واضح ہے۔ تاریخ کا لمحہ لمحہ گواہ ہے کہ مسئلہ آزادی، ایمان اور عزت کی حفاظت کا ہو یا ظلم و استبداد کے نظام سے نجات اور اعلیٰ مقاصد حیات کے حصول کا — یہ بازی صرف ایک ہی طریقے سے سر کی جاسکتی ہے اور وہ عبارت ہے مسلسل اور پیہم جدوجہد، ایثار اور قربانی سے۔ اس حیات آفریں عمل ہی کو شریعت نے جہاد کا نام دیا ہے اور اس کے مقاصد و اہداف، اصول و آداب اور قواعد و ضوابط کا راکار بھی پوری وضاحت سے تعین کر دیا ہے۔ یہ جدوجہد نیت اور سمت کی درستی کے ساتھ وقت، جان اور مال، غرض ہر چیز کی قربانی کا تقاضا کرتی ہے اور اگر اس جدوجہد میں نوبت جان کو جان آفریں کے سپرد کرنے کی آجائے تو اسے کامیابی کی معراج قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح جان دینے والے کی موت کو عرف عام کی موت سے یہ کہہ کر ممیز کر دیا گیا ہے کہ یہی اصل حیات ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (البقرہ ۴: ۱۵۴) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔

ایک اور پہلو اس مقام کو حاصل کرنے والوں کی زندگی کا یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے روشن مثال قائم کرتے ہیں، انسان کو موت کے خوف سے بے نیاز کرتے ہیں، زندگی کو ان مقاصد

کے لیے قربان کرنے کا داعیہ پیدا کرتے ہیں جو محض ایک فرد نہیں بلکہ پوری امت اور تمام انسانوں کو زندگی کے اس مفہوم سے آشنا کرتے ہیں جس سے زندگی زندہ رہنے کے لائق بنتی ہے (what makes life worth living)۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے کہ سع  
شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے

آج ایک خاص طبقہ کچھ مخصوص بلکہ مذموم مقاصد کے لیے 'جہاد' اور 'شہادت' کو ناپسندیدہ الفاظ بنانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن چاند پر تھوکنے سے چاند کی روشنی اور پُر کُف ٹھنڈک میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ ہر دور میں شہادت کا ہر واقعہ ایمان کی تازگی اور حق اور صداقت کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے مہمیز دینے کا ذریعہ رہا ہے۔ یہی وہ عمل ہے جس کے نتیجے میں بالآخر ظلم و استبداد کا ہر نظام سرنگوں ہوتا ہے اور آزادی، عزت، غلبہ حق اور عدل و انصاف کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ تاریخ کے درو دیوار سے یہ گونج مسلسل سنائی دیتی ہے کہ۔

یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع تو نہ جائے گا لیکن  
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں، جو صرف بہا راں ہوتے ہیں

بھارتی غلبے اور استبداد کے خلاف جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی جدوجہد ہمارے دور کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اس جدوجہد میں جو سعید روہیں جان کا نذرانہ پیش کرتی ہیں، وہ دراصل اُمید کا ایک چراغ روشن کرتی ہیں۔ بھارتی ظلم و استبداد کا نشانہ بننے والی ہر روح تاریکیوں کو چیلنج کرنے والے ایک چراغ کی مانند ہے۔ اس سلسلے کی تازہ ترین مثال ۹ فروری ۲۰۱۳ء کو دہلی کی تہاڑ جیل میں ایک بے گناہ مجاہد محمد افضل گورو کو تختہ دار پر چڑھانے کے ظالمانہ اقدام کی شکل میں دیکھی جاسکتی ہے جس نے بھارت کی نام نہاد جمہوریت اور اس کے عدالتی نظام کا اصل چہرہ ہی بے نقاب نہیں کیا، بلکہ عالمی قیادت کے اس مدعی ملک کی ریاستی دہشت گردی کی بدترین مثال بھی پوری دنیا کے سامنے پیش کر دی ہے۔ یہ اس کے سیاسی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت اور اس کی کشمیر پالیسی کی ناکامی کی علامت ہے۔

شہادت کا پس منظر

اس امر میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ اقدام ایک مکروہ سیاسی چال ہے اور تحریک آزادی کشمیر

کو نہ صرف یہ کہ اس سے ان شاء اللہ کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس کے نتیجے میں اس جدوجہد کوئی جلا ملے گی اور نئی قوت میسر آئے گی۔ ذرا تصور کیجیے کہ ایک مظلوم انسان جسے ایک سازش کے تحت دہشت گردی کے ایک واقعے میں ملوث کیا گیا، اسے تین بار عمر قید اور دو بار پھانسی کی سزا دی گئی، جس کی (افسوس ہے کہ) ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے کھلے بندوں، قانون اور عدل کی بنیاد پر نہیں، علانیہ طور پر سیاسی وجوہ سے توثیق بھی فرمادی۔ وہ ۱۳ سال سے قید تہائی میں تھا اور سات سال سے پھانسی کے تختے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے اور اس کی اہلیہ کو قانون کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے اطلاع دیے بغیر اور آخری وقت میں بیوی اور بچے سے بھی ملنے سے محروم رکھ کر تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ جموں و کشمیر میں کر فیو لگا دیا جاتا ہے اور اخبارات، میڈیا، اور سیل فون تک کو خاموش کر دیا جاتا ہے، اس کے باوجود مظلوم مجاہد کی جبین پر کوئی شکن نہیں آتی۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر پورے اعتماد کے ساتھ تختہ دار کی طرف شانِ استغنا کے ساتھ بڑھ جاتا ہے۔ اپنے خاندان اور تمام مسلمانوں کو پیغام دیتا ہے کہ ”اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس مقام کے لیے چنا۔ باقی میری طرف سے آپ اہل ایمان کو مبارک ہو کہ ہم سب سچائی اور حق کے ساتھ رہے اور حق و سچائی کی خاطر آخرت میں ہمارا اختتام ہو۔ اہل خانہ کو میری طرف سے گزارش ہے کہ میرے مرنے پر افسوس کے بجائے اس مقام کا احترام کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو، اللہ حافظ!“۔

یہ الفاظ کسی مجرم یا باطل سے دب جانے والے انسان کے نہیں ہو سکتے۔ یہ خطاب صرف اہل خانہ سے نہیں، تمام اہل ایمان سے ہے جو دلوں میں نیا ولولہ پیدا کریں گے اور اس جدوجہد کو نئی زندگی دیں گے۔ اس کا ایک ہلکا سا نظارہ ان واقعات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جو اس شہادت کے بعد رونما ہوئے۔ ایک طرف خائف سو پر پاور ہے اور دوسری طرف بے سروسامان عوام۔ لیکن وہ ہر کاوٹ کے باوجود احتجاج کر رہے ہیں۔ کر فیو ان کا راستہ نہیں روک سکتا اور گولی اور لاشی کی بو چھاڑ انھیں گھروں میں قید نہیں رکھ سکتی۔ بوڑھا سید علی شاہ گیلانی زیر حراست ہے لیکن اس کی آواز پر کشمیر کے مظلوم شہری ظالموں کے خلاف کمر بستہ ہیں۔ دہلی تک میں مظاہرے ہوتے ہیں جن کی قیادت دہلی کالج کا وہی پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمن گیلانی کر رہا ہے جس پر اس مقدمے میں شریک جرم ہونے کا الزام تھا، اسے بھی افضل گورو کے ساتھ سزائے موت ملی تھی جو بعد میں

سپریم کورٹ نے کالعدم قرار دے دی اور اسے بے گناہ قرار دیا۔ وہ نہ صرف اس احتجاج کی قیادت کر رہا ہے بلکہ برٹلا شہادت دے رہا ہے کہ محمد افضل گورو بے گناہ تھا اور اسے صرف اس لیے پھانسی کے تختے پر چڑھایا گیا ہے کہ وہ تحریک آزادی کشمیر کا ایک مجاہد تھا اور اسے اس کے سیاسی خیالات کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتارا گیا ہے۔ مظاہرے میں شریک ہر نوجوان یہ عہد کر رہا ہے کہ تحریک آزادی کشمیر کو جاری رکھے گا۔ بلاشبہ افضل گورو کی شہادت سے اس تحریک کو ان شاء اللہ نیا ولولہ ملے گا۔

جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے، ۹ فروری کی شہادت کی خبر سارے کر فیو اور تمام پابند یوں کے باوجود جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کر فیو کے علی الرغم عوامی احتجاج ہر سُو رونا ہوا اور قربانیوں اور شہادتوں کی نئی تاریخ رقم ہونے لگی۔ ہڑتالوں کا سلسلہ ان سطور کے لکھنے تک جاری ہے اور کشمیر ہی نہیں، دنیا بھر میں کشمیری نوجوان، وہ بھی جو پہلے اس جدوجہد میں شریک نہیں تھے، اب نئے جذبے کے ساتھ مزاحمت کی تحریک میں شرکت کے لیے بے تاب ہیں۔ نیویارک ٹائمز کی نامہ نگار برمنگھم یونیورسٹی کی ایم فل کی ایک طالبہ عارفہ غنی کے اس عزم کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کرتی ہے:

جب مقبول بٹ کو پھانسی دی گئی تو میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جب میں نے اس کے بارے میں کچھ پڑھا تو پھر وہ ہمارا ہیرو ہو گیا۔ گورو کی پھانسی کے بعد میں جس طرح محسوس کر رہی ہوں اس طرح کبھی بھی محسوس نہیں کیا۔ مگر ہم اپنے بڑوں کی طرح ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ ہم زیادہ ذہانت سے ردعمل دیں گے۔

(نیویارک ٹائمز کے نمائندے کی رپورٹ جو دی نیشن کی ۱۸ فروری ۲۰۱۳ء کی اشاعت میں شائع کی گئی ہے)۔

یہ کیسی جمہوریت ہے اور یہ کیسی اُبھرتی ہوئی عالمی طاقت ہے جو مجاہدین کی لاشوں سے بھی خائف ہے اور جس نے مقبول بٹ شہید کی لاش اس کے لواحقین کو دی اور نہ اب افضل گورو کی لاش دینے کے لیے تیار ہے؟ لندن کے اخبار دی گارڈین کے کالم نگار نے کس طنز سے لکھا ہے کہ:

یہ بات ضرور پوچھی جانی چاہیے کہ بھارتی ریاست کیا کہنے کی کوشش کر رہی تھی؟ یقیناً

اس کی وضاحت سادگی سے اس طرح نہیں کی جاسکتی تھی جیسا کہ بعض تجزیہ نگاروں نے کی ہے کہ یہ محض انتخابی سیاست کی مجبوریوں کا ایک مکروہ اظہار ہے۔ بلاشبہ یہ وہ عمل ہے جس میں بھارت کی سیاسی پارٹیاں اپنے حریفوں سے آگے بڑھنے کے لیے نئی اخلاقی پستیوں میں ڈوبنے کے لیے بے چین ہیں لیکن یہ اقدام دراصل کشمیری عوام کے لیے ایک پیغام ہے کہ ایک قابل طاقت بے اختیار عوام کو پوری گھن گرج کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ تمہیں لازماً تعظیماً جھکنا پڑے گا۔ اس مقدمے کے اثرات پھانسی کے تختے سے بہت آگے بھی جاسکتے ہیں۔ اس کا تاریک سایہ ان کے بچوں کے لیے دودھ اور بزرگوں کے لیے دواؤں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ دولہات تاریخ کا حصہ بنتے نظر آ رہے ہیں۔ کشمیری، بھارت کی مزاحمت کی یاد میں گہری قبر کھود کر مقبرہ تعمیر کر رہے ہیں، اور بھارت بزدلانہ اعتراف کر رہا ہے کہ ایک کشمیری لاش بھی باغی ہو سکتی ہے، لہذا اسے جیل ہی میں ہمیشہ کے لیے مقید رہنا چاہیے۔

بھارتی قیادت کے عزائم اور اہل کشمیر کے لیے اس کا پیغام تو بہت واضح ہے۔ شہیدوں کی لاشوں تک سے ان کا خوف بھی الم نشرح ہے لیکن دی گارڈین کے مضمون نگار کا یہ خیال کہ جو قبریں سری نگر کے شہدا کے تاریخی قبرستان میں ان دو شہدا کے لیے بنائی گئی ہیں، وہ اپنے مکینوں کا انتظار کر رہی ہیں اور بس یادوں اور مزاحمتوں کا مقبرہ ہوں گی، شدید غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ یہ قبریں تحریک مزاحمت کی علامت اور آزادی کی ناقص جدوجہد کا عنوان ہیں۔ یہ آزادی کے کارواں اور اس راہ میں مزید قربانیوں کے لیے ایک تکبیر مسلسل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس آرزو اور عزم کا اظہار بھی ہیں کہ ایک دن ان شاء اللہ جموں و کشمیر کے مسلمان بھارت کے قبضے اور استبدادی نظام سے نجات پائیں گے، اپنی آزاد مرضی سے اپنا مستقبل طے کریں گے اور پھر شہدا کی وہ لاشیں، جن سے آج وہ محروم کر دیے گئے ہیں، وہ انہیں حاصل کر سکیں گے اور وہ وقت دُور نہیں جب یہ خالی قبریں اپنے اصل مکینوں کو خوش آمدید کہہ سکیں گی۔

بلاشبہ محمد افضل گور کی شہادت کا واقعہ اس جدوجہد میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس پہلو کے ساتھ یہ واقعہ کئی اور حیثیتوں سے بھی بڑے غور و فکر کا مواد فراہم کر رہا ہے۔

ہم ان میں سے چند پہلوؤں پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ حالات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھا جاسکے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے صحیح پالیسیاں اور مناسب حکمت عملیاں تیار کی جاسکیں۔

ریاستی دہشت گردی کی بدترین مثال

بھارت نے پہلے دن سے کشمیر کو صرف قوت کے ذریعے اور بدترین سامراجی حربوں کے بے محابا استعمال کے بل بوتے پر اپنی گرفت میں رکھا ہوا ہے اور وہ ظلم و استبداد کے مکروہ سے مکروہ تر اقدام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۱ء کی جنگ بندی تک اپنے قدم جمانے اور جنگ آزادی کو کچلنے کے لیے بھارتی اور ڈوگرہ افواج نے چار لاکھ افراد کا خون بہایا اور ۱۹۸۹ء سے رونا ہونے والے تحریک آزادی کے دوسرے دور میں اب تک ایک لاکھ سے زیادہ افراد کو شہید کیا جا چکا ہے۔ لاکھوں زخمی ہوئے ہیں، ہزاروں لاپتہ ہیں، ہزاروں جیلوں میں سڑ رہے ہیں اور خاص و عام آبادی کے انسانی حقوق کو پوری بے دردی کے ساتھ پامال کیا جا رہا ہے۔ پاک باز خواتین کی آبروریزی بڑے پیمانے پر کی جا رہی ہے اور جنسی زیادتی کو ایک جنگی حربے (military strategy) کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ جموں و کشمیر میں لاکھ سے زیادہ بھارتی فوجی ظلم کی یہ داستان رقم کر رہے ہیں اور ان کو ایک مہذب معاشرے کے ہر قانون سے، حتیٰ کہ جنگی قانون تک سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ Armed Forces Special Powers Act ایک ایسا جنگل کا قانون ہے جس نے بھارتی فوج اور سیکورٹی ایجنسیوں کو دستور، قانون، جنگی قواعد و ضوابط اور سماجی روایات، ہر ضابطے اور قاعدے سے آزاد کر دیا ہے۔

جموں و کشمیر میں جو خونیں کھیل کھیلا جا رہا ہے اسے تمام دنیا کے میڈیا اور عالمی مبصرین کے لیے 'نوگواریا' بنا دیا گیا ہے تاکہ دنیا اس سے بے خبر رہے جو کچھ مجبوروں کی اس بستی میں کیا جا رہا ہے۔ اس پس منظر میں محمد افضل گورو کی گرفتاری کا مقدمہ، اس کی قید تہائی، اس پر تعذیب کی دل خراش داستان، اس کی سزا، اس کی رحم کی درخواستوں پر کیا جانے والا معاملہ، اس کی پھانسی، پھانسی کی اطلاع سے خود اس کو اور اس کے اہل خانہ تک کو بے خبر رکھنا، اس کی میت سے بھی اس کے خاندان کو محروم رکھنا، اس کی پھانسی کی خبر تک کا گلا گھونٹنے کی کوشش — یہ سب کشمیر کی حقیقی صورت حال کا ایک آئینہ ہے جس میں بھارت کے سیاسی اور عدالتی نظام کا اصل چہرہ بھی دیکھا

جا سکتا ہے اور جسے اب دنیا سے چھپانے کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بھارت کے جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے تمام دعووں کی قلعی صرف اس ایک واقعے کے ذریعے کھل جاتی ہے۔ کس طرح ہر سطح پر اور ہر قدم پر دستور، قانون، سیاسی آداب اور مسلمہ اخلاقی اصول و ضوابط کو پامال کیا جاتا ہے اور کس ڈھنائی سے انصاف کا خون کر کے ریاستی دہشت گردی کی بدترین مثال قائم کی گئی ہے۔ اس کیس کے حقائق کو ان کی اصل ترتیب میں دیکھنے سے بھارت کی سیاست اور عدل و انصاف کی زبوں حالی کی مکمل تصویر سامنے آ جاتی ہے۔

●..... بدنام زمانہ نائن الیون کے دو ہی مہینے کے بعد دسمبر ۲۰۰۱ء دہلی میں پارلیمنٹ پر حملے کا واقعہ رونما ہوتا ہے جس کے پانچوں کردار کچھ دوسرے افراد کے ساتھ موت کے گھاٹ اُتار دیے جاتے ہیں اور کسی کو بھی کوئی ثبوت اس کا نہیں مل سکا کہ حملہ کرنے والے کون تھے اور ان کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔ اس وقت کے وزیر داخلہ کے ایل ایڈوانی کا یہ ارشاد سارے ڈرامے کا عنوان بنا کہ ”شکل و صورت سے حملہ آور پاکستانی معلوم ہوتے ہیں“۔

●..... دو دن کے اندر دہلی کے تین افراد، جن میں پروفیسر عبدالرحمن گیلانی کو مرکزی شخصیت (master mind) قرار دیا جاتا ہے، گرفتار کر لیے جاتے ہیں اور بظاہر ان کی دی ہوئی معلومات کی بنیاد پر محمد افضل گورو اور ان کی اہلیہ کو شامل تفتیش کیا جاتا ہے اور افضل گورو کے ایک ایسے بیان کی بنیاد پر جو تشدد اور تعذیب کے ذریعے لیا گیا تھا اور جس سے افضل گورو نے عدالت میں صاف انکار کیا، ان کا پاکستان سے رشتہ جوڑا گیا اور ایک لیپ ٹاپ اور سیل فون کا ڈراما رچایا گیا جن کا ڈھونگ ہونا مقدمے کے دوران ہی ثابت ہو گیا۔

●..... محمد افضل گورو کی ابتدائی تعلیم کشمیر میں اسلامی ٹرسٹ کے ایک اسکول میں ہوئی۔ پھر اس نے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا جسے جاری نہ رکھ سکا۔ بھارتی افواج کے مظالم اور خصوصیت سے مسلمان خواتین سے زیادتی نے اسے کشمیر کی آزادی کی تحریک میں شرکت پر مجبور کیا۔ جے کے ایل ایف سے اس نے وابستگی اختیار کی، پاکستان بھی آیا مگر یہاں سے مایوس ہو کر واپس چلا گیا اور بھارتی افواج اور ایجنسیوں کے آگے سرنڈر کا مرتکب ہوا اور پھر ان کے ہتھے چڑھ گیا۔ انھوں نے بار بار اسے ذلیل و خوار کیا، تشدد کا نشانہ بنایا، اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی اور

عدم تعاون پر بدترین تعذیب سے نوازا۔ اس اثنا میں اس نے ایم بی اے کیا، شادی کی، غیر سیاسی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی مگر جو ایک بار بھارتی ایجنسیوں کے ہتھے چڑھ گیا وہ ان کی گرفت سے کیسے نکل سکتا ہے۔ دسمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے میں بھی اسے انھی ایجنسیوں نے ملوث کرنے کی کوشش کی اور اس کی پوری تفصیل افضل گورو نے عدالت کے سامنے حلفیہ پیش کی مگر بے سود۔ آخر انھیں کسی نہ کسی کو تو قربانی کا بکرا بنانا تھا اور انھوں نے پوری بے دردی اور بے شرمی سے محمد افضل گورو کو اس کی بھینٹ چڑھا دیا۔

●..... مقدمے کے دوران اسے قید تہائی میں رکھا گیا، تفتیش کے دور میں اسے بدترین تعذیب کا نشانہ بنایا گیا۔ مقدمے میں اسے اپنا وکیل تک نہیں کرنے دیا گیا۔ ایک دوسرے درجے کے وکیل کو سرکار نے مقرر کیا جس نے افضل گورو سے کبھی ملاقات نہ کی اور دفاع کے بجائے عملاً سرکار کے وکیل کا کردار ادا کیا۔ جن دوسرے افراد کو اس جھوٹے مقدمے میں ملوث کیا گیا تھا اعلیٰ عدالت کی سطح پر کوئی شہادت اور ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی سزاؤں کو ختم کر دیا گیا لیکن افضل گورو کو سزا دینا ان کی سیاسی ضرورت بن گئی اور اس طرح وہ سیاسی انتقام دراصل سیاسی دہشت گردی کا ہدف بن گیا۔

### انصاف کا خون

یہ ستم ظریفی بھی قابلِ غور ہے کہ جس اصل نام نہاد ماسٹر مائنڈ، یعنی پروفیسر عبدالرحمن گیلانی کو محمد افضل تک رسائی کا ذریعہ ظاہر کیا گیا تھا، وہ تو اعلیٰ عدالت کے حکم سے بے گناہ ثابت ہوئے اور جوان کے لیے بھی ایک بالواسطہ ذریعہ قرار دیا گیا تھا وہ اصل مجرم بن گیا اور سولی پر چڑھا دیا گیا۔

●..... سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں تین باتوں کا صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

۱- اس کیس میں محمد افضل گورو کے ملوث ہونے کا کوئی واقعاتی یا شہادت پر مبنی ثبوت موجود نہیں۔

۲- کسی دہشت گرد تنظیم سے کسی سطح پر بھی محمد افضل گورو کا کوئی باقاعدہ تعلق ثابت نہیں۔

۳- جو بالواسطہ مواد پولیس/تفتیشی عملے نے دیا ہے اس میں شفافیت نہیں بلکہ وہ تہ در تہ تضادات سے بھرا پڑا ہے، مثلاً پروفیسر عبدالرحمن گیلانی کے بارے میں کہا گیا کہ ان



کے ذریعے محمد افضل گورو کا نام ملا، مگر محمد افضل گورو کو عبدالرحمن گیلانی کی گرفتاری سے پہلے ہی سری نگر میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ جس لیپ ٹاپ کا ذکر ہے وہ محفوظ (protected) نہیں تھا اور ایسی شہادت جو محفوظ نہ ہو قابل قبول نہیں ہوتی۔ نیز جو معلومات اس پر تھیں وہ خود یہ ظاہر کرتی تھیں کہ کمپیوٹر سے بہت سی معلومات نکال دی گئی ہیں اور جو معلومات باقی ہیں، ان میں ہیر پھیر کر دیا گیا ہے۔ سیل فون کے بارے میں سم کے حاصل کرنے کی جو تاریخ دی گئی ہے، وہ بے معنی ہے اس لیے کہ وہ سم اس تاریخ سے کم از کم تین ہفتے پہلے سے کسی کے زیر استعمال تھی اور بدیہی طور پر محمد افضل گورو نہیں تھا۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں، ورنہ کیس میں کسی سطح پر بھی کوئی جان نہیں تھی۔

ان تمام حقائق کو تسلیم کرنے کے بعد عدالت عالیہ نے جس بنیاد پر موت کی سزا کی توثیق کی ہے وہ عدل کی تاریخ میں ایک عجوبہ اور بھارت کے عدالتی نظام کے چہرے پر کلنگ کا ٹیکا ہے۔ سپریم کورٹ ہی کے الفاظ میں عدل کے قتل اور قانونی دہشت گردی پر مبنی اس فیصلے کو ملاحظہ فرمائیں: افضل گورو ان دہشت گردوں میں سے نہیں تھا جنہوں نے ۱۳ دسمبر ۲۰۰۱ء کو پارلیمنٹ ہاؤس پر حملہ کیا۔ وہ ان لوگوں میں سے بھی نہ تھا جنہوں نے سیکورٹی اہل کاروں پر گولی چلائی اور چھتھے میں سے تین کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ جیسا کہ بیش تر سازشوں کے ساتھ ہوتا ہے، یہاں بھی کوئی ایسی براہ راست شہادت نہ ملی ہے اور نہ مل سکتی ہے جسے مجرمانہ سازش قرار دیا جاسکے۔ اس واقعے نے جس میں ایک تعداد میں لوگ ہلاک ہوئے پوری قوم کو ہلا دیا ہے اور معاشرے کا اجتماعی ضمیر اسی صورت میں مطمئن ہو سکتا ہے کہ مجرم کو سزائے موت دی جائے۔

یعنی ایک شخص کو صرف اس لیے سولی پر چڑھا دو تا کہ اس سے جس شے کو سوسائٹی کا 'اجتماعی ضمیر' کہا جا رہا ہے اس کی تسکین ہو سکے۔ عدل و انصاف کے قتل کی اس سے زیادہ نتیجہ اور اندوہناک صورت کیا ہو سکتی ہے؟

پھر یہی نہیں، قانونی اور دستوری نقطہ نظر سے دستور اور قانون کے مسلمہ اصولوں اور خود بھارت کی عدالت عالیہ کے ایک درجن سے زیادہ فیصلوں کی بھی اس مقدمے اور سزا میں کھلی

خلاف ورزی کی گئی ہے۔

●..... صدر مملکت کو اگست ۲۰۰۵ء کے سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد خاندان کی طرف سے دستور کی دفعہ ۷۲ کے تحت رحم کی اپیل کی گئی جسے بھارت کے دو صدور نے مسترد کرنا صحیح نہ سمجھا اور حکومت کو غور کے لیے بھیجا۔ حکومت نے خاموشی اختیار کی۔ ۲۰۱۳ء میں تیسری بار ایوان صدر سے درخواست کو وزارت داخلہ کو بھیجا گیا اور موجودہ وزیر داخلہ نے اسے رد کرنے کی سفارش کی جس پر صدر نے صادر کر دیا اور اس طرح رحم کی اپیل رد ہو گئی اور پھانسی کے لیے زمین ہموار کی گئی، حالانکہ دسیوں قتل کے مقدمات میں رحم کی اپیلیں مدت دراز سے زیر غور ہیں اور اس طرح پھانسی کی سزا عملاً ایک طرح کی عمر قید میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ راجیو گاندھی کے تینوں قاتل بھی آج تک رحم کی اپیل کے التوا ہی کی بنیاد پر زندہ ہیں اور اس کو ۲۱ سال گزر چکے ہیں۔

●..... سپریم کورٹ کا فیصلہ اور رحم کی اپیل کے سلسلے میں طے شدہ ضابطہ یہ ہے کہ دستور کی دفعہ ۷۲ کے تحت رحم کی اپیل کے منظور کیے جانے یا رد کیے جانے کی سفارش مرکزی کابینہ کرتی ہے، مگر افضل گورو کے معاملے میں وزارت داخلہ نے کابینہ سے رجوع کیے بغیر اپیل رد کرنے کی سفارش کی جسے صدر نے قبول کر لیا جو خود قانون کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

●..... پھر سب سے زیادہ نقصان دہ الزام (damaging indictment) وہ ہے جو بھارت کی سپریم کورٹ کے سینیئر ایڈووکیٹ اور ایک سابق سالیسٹر جنرل ٹی آر اندو دھیارو جتا نے اپنے مضمون An Execution Most Foul (بہت غلط پھانسی) میں کیا ہے جو بھارت کے روزنامہ دی ہندو میں ۱۹ فروری ۲۰۱۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ اس میں اس نے بڑے اہم قانونی نکات اٹھائے ہیں جن کی روشنی میں افضل گورو کی پھانسی ایک مجرمانہ فعل (criminal offence) بن گیا ہے۔ بھارت کی حکومت نہ صرف سیاسی شعبے بازی کی مرتکب قرار پاتی ہے بلکہ اس نے عدالت عالیہ کے فیصلوں کی بھی خلاف ورزی کی ہے اور سب سے بڑھ کر تو بین عدالت تک کی مرتکب ہوئی ہے کہ افضل گورو کا معاملہ ایک دوسرے مقدمے میں عدالت عالیہ کے سامنے زیر غور تھا اور اس معاملے کے فیصلے کے اعلان کیے جانے سے پہلے ہی افضل گورو کو پھانسی دے دی گئی:

۹ فروری کو افضل گورو کی پھانسی بھارتی حکومت کا ایک غیر انسانی فعل تھا۔ افضل گورو کو ۳۱ اگست ۲۰۰۵ء کو سپریم کورٹ کی طرف سے سزائے موت کے فیصلے کے سات سال بعد اور صدر بھارت کو ۸ نومبر ۲۰۰۶ء کو دی گئی رحم کی اپیل کے چھ سے زیادہ سال بعد پھانسی دی گئی۔ اس عرصے میں اُس نے اور اس کے اہل خانہ نے اس کی قسمت کے بارے میں ہر دن تکلیف و پریشانی میں گزارا۔ یہ ایک ایسی صورت حال ہے جس کی تمام مہذب ممالک اور ہماری سپریم کورٹ بھی مذمت کرتی ہے۔ صدر بھارت کی طرف سے اس کی رحم کی درخواست کو چھ سال کے بعد ۳ فروری ۲۰۱۳ء کو مسترد کیا گیا ہے جسے ارادتا خفیہ رکھا گیا اور اس کے اہل خانہ کو بھی اطلاع نہیں دی گئی کہ کہیں یہ عدالتی درخواست کی بنیاد نہ بن جائے۔ ۹ فروری ۲۰۱۳ء کو اس کے اہل خانہ کو بتائے بغیر خفیہ طور پر اسے پھانسی دی گئی اور اتنی ہی خفیہ طور پر تہاڑ جیل نئی دہلی میں ایک قبر میں اسے دفن کر دیا گیا۔

۱۹۸۳ء میں شیر سنگھ بمقابلہ ریاست پنجاب کے مقدمے میں عدالت نے انھی باتوں کو دہرایا جو ایک اور مقدمہ تری وینی بن بمقابلہ ریاست گجرات میں وسیع تر دستوری بیچ نے طے کرنا چاہا، اور سپریم کورٹ نے دوبارہ انھیں دہرایا کہ پھانسی دینے میں تاخیر غیر منصفانہ اور غیر معقول ہوگی۔ عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ رحم کی اپیلوں کے فیصلوں میں پوری دنیا میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ متعلقہ شخص ایک ذہنی نارچر میں مبتلا رہتا ہے بلا لحاظ اس کے کہ اس کے ساتھ کوئی جسمانی بدسلوکی نہیں کی جاتی۔ اس لیے رحم کی اپیل کے استرداد کی اطلاع دینا لازمی تھا۔ جگدیش بمقابلہ ریاست مدھیہ پردیش مقدمہ ۲۰۱۲ء سپریم کورٹ نے نہ صرف ملزم کی اس اذیت کو نمایاں کیا جو اسے سزا ملنے میں تاخیر سے ہوتی ہے بلکہ اس تکلیف اور اذیت کو بھی جو اس کے قریبی رشتے داروں کو ہوتی ہے۔ ۱۹۹۳ء میں پرائیوی کنسل نے بھارتی سپریم کورٹ کی رائے کو درست قرار دیا اور اپنے فیصلے کے ایک پڑتا شیر حصے میں لکھا کہ پھانسی پانے کے احکامات کے خلاف ایک جبلی کراہت ہوتی ہے۔ یہ جبلی کراہت کس وجہ سے ہوتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ

ہم اس کو غیر انسانی فعل قرار دیتے ہیں کہ ایک آدمی کو پھانسی کی اذیت میں طویل عرصے تک رکھا جائے۔ کئی برس تک اپنی تحویل میں رکھنے کے بعد ان لوگوں کو پھانسی دینا ایک غیر انسانی سزا ہوگی۔ یورپی یونین کی انسانی حقوق کی عدالت نے ۱۹۸۹ء میں اور کینیڈا کی سپریم کورٹ نے بھی یہی موقف اختیار کیا۔ افضل گورو کو پھانسی دینے میں حکومت نے جان بوجھ کر سپریم کورٹ کے موقف کو نظر انداز کیا اور دوسری عدالتوں کے موقف کو بھی۔ ایک زیر التوا مقدمہ خود افضل گورو کا تھا۔ عدالت نے مجھے اپنا مشیر مقرر کیا تاکہ غیر معمولی تاخیر کے بعد سزا دینے کے مسئلے کو صحیح پس منظر میں دیکھا جائے۔ عدالت کے سامنے میں نے اپنے دلائل دیتے ہوئے خاص طور پر افضل گورو مقدمے کے حقائق کا حوالہ دیا۔ سماعت ۱۹ اپریل ۲۰۱۲ء کو ختم ہو گئی۔ عدالت نے فیصلہ محفوظ رکھا (جس کا ابھی تک اعلان نہیں ہوا ہے)۔ حکومت اس بات سے پوری طرح آگاہ تھی کہ مجرموں کی پھانسی کی سزا میں طویل تاخیر کا مسئلہ قانونی طور پر سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ حکومت کے لیے لازم تھا کہ زیر التوا فیصلوں پر سپریم کورٹ کے مستند فیصلے کا انتظار کرتی۔ لیکن حکومت نے ۹ فروری کو افضل گورو کو پھانسی کی سزا دے دی۔ افضل گورو کی پھانسی بھارتی حکومت کے سزائے موت کے کیے ہوئے فیصلوں میں سب سے زیادہ بے رحمانہ فیصلہ سمجھا جائے گا۔

اس مضمون میں اٹھائے گئے سوالات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف عدالت عالیہ کا موت کا فیصلہ ہی کسی قانونی جواز کے بغیر تھا۔ یہ فیصلہ محض سیاسی وجوہ سے سوسائٹی کے اجتماعی ضمیر کا سہارا لے کر دیا گیا تھا لیکن اس کے علاوہ بھی کم از کم مندرجہ ذیل شکلوں میں دستور اور قانون کی دھجیاں بکھیر دی گئیں:

۱- چھ سال تک رحم کی اپیل کو لڑکانا انسانی حقوق اور انصاف کے تقاضوں سے متصادم تھا اور ایسی صورت میں موت کی سزا کا ساقط کیا جانا قانون اور انصاف سے اقرب ہے جس پر بھارتی سپریم کورٹ تک کی متعدد آرزویشن موجود ہیں۔

۲- رحم کی اپیل کے فیصلے میں تاخیر کے خلاف انصاف ہونے کا مسئلہ بھارتی سپریم کورٹ

میں زیر سماعت تھا۔ مقدمے کی سماعت مکمل ہو گئی تھی اور اس مقدمے میں افضل گورو کا کیس بھی شامل تھا۔ مقدمے کا فیصلہ ابھی آنا تھا جس میں اس کا امکان بھی تھا کہ کیس کے تمام متعلقہ افراد کی موت کی سزا کو ختم کیا جاسکتا تھا۔ فیصلہ آنے سے پہلے افضل گورو کو پھانسی دینا غیر قانونی فعل تھا اور اس طرح کا ایک اقدام قتل بن جاتا ہے۔

۳۔ اگر رحم کی اپیل رد کر دی گئی تھی جب بھی یہ سزا پانے والے کا حق تھا کہ اسے اپیل کے رد کیے جانے کی اطلاع بروقت دی جاتی۔ اس لیے کہ سپریم کورٹ کے بار بار کے فیصلے موجود ہیں کہ دستور کی دفعہ ۷۲ کے تحت موت کی سزا کے بارے میں رحم کی اپیل رد کرنے کے صدارتی فیصلے پر عدالتی محاکمہ (Judicial Review) ممکن ہے اور اس طرح رحم کی اپیل رد ہونے کے بعد بھی افضل گورو کی اہلیہ کو یہ حق تھا کہ عدالت سے ایک بار پھر رجوع کرے اور اپیل کے روکے جانے کے مبنی برحق و قانون ہونے کے بارے میں عدالت کی رائے حاصل کرے، لیکن اپیل رد کیے جانے کے بعد افضل گورو اور اس کے اہل خانہ کو بروقت اطلاع تک نہ دی گئی اور انھیں اپنے اس حق سے محروم کر دیا گیا کہ وہ عدالتی اپیل کر سکیں۔ یہ ملک کے دستور اور قانون کی صریح خلاف ورزی تھی۔

اس طرح افضل گورو کو پھانسی کی شکل ہی میں ایک بار نہیں، چار بار عدل و انصاف کا خون ہوا اور بھارت کے جمہوری نظام ہی نہیں، پورے عدالتی نظام کے کھوکھلے ہونے اور سیاسی مصلحتوں کا اسیر ہونے کا تماشا تمام دنیا نے دیکھ لیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس ملک میں انصاف خاص لوگوں کے لیے (selective) اور امتیازی (discriminatory) ہے اور انصاف اور قانون کو سیاست اور مصلحت کے تابع کر دیا گیا ہے۔ کیا ایسے نظام کو دستوری اور جمہوری نظام کہا جاسکتا ہے؟ دیکھیے بھارت اور عالمی سطح پر انصاف کے اس اسقاط (miscarriage of justice) کا کیسے اعتراف کیا جا رہا ہے۔

### عالمی ضمیر کے چبھتے سوال

بھارت کی مشہور ادیبہ اور سماجی کارکن ارون دھتی رائے اپنے دو مضامین میں جو لندن کے اخبار دی گارڈین میں شائع ہوئے ہیں، افضل گورو کی پھانسی کے آئینے میں بھارت کا اصل چہرہ کس طرح پیش کرتی ہے۔ پہلا مضمون ۱۰ فروری کو شائع ہوا ہے اور دوسرا ۱۸ فروری کو۔ اپنے پہلے

مضمون میں وہ لکھتی ہیں:

۲۰۰۱ء کے پارلیمنٹ کے حملے کے ملزم افضل گورو کو صبح خفیہ طور پر پھانسی دی گئی اور اس کے جسم کو تہاڑ جیل میں دفن کر دیا گیا۔ کیا اسے مقبول بٹ کے ساتھ ہی دفن کیا گیا؟ (وہ دوسرا کشمیری جس کو تہاڑ جیل میں ۱۹۸۴ء میں پھانسی دی گئی)۔ افضل گورو کی اہلیہ اور بیٹے کو اطلاع نہ دی گئی (کیا ستم ظریفی ہے کہ اس الم ناک واقعے نے پوری سیاسی قیادت کو متحد کر دیا ہے)۔ اتحاد کے ایک شاذ لمحے میں قوم اور کم از کم اس کی بڑی سیاسی جماعتیں کانگریس، بی جے پی اور سی پی ایم، سوائے ان چند کمزور آوازوں کے جو اس پھانسی میں تاخیر کے خلاف اٹھیں، قانون کی بالادستی کا جشن منانے کے لیے متحد ہو گئیں۔ رہا معاملہ قوم کے ضمیر کا۔ وہ تو وہی ہے جو ٹی وی سے براہ راست ہر پروگرام میں نشر ہوتا ہے اور جس کی اجتماعی ذہانت نے سیاسیات کے جذبوں پر اپنی گرفت قائم کی ہوئی ہے اور حقائق تک کی صورت گری کرتی ہے۔ ان دنوں سیاسیات کے جذبے اور حقائق پر گرفت اور اپنی اجتماعی ذہانت کو چھوڑ دیا۔ حیف کہ ایک آدمی جو مرچکا تھا اور جا بھی چکا تھا لیکن پھر بھی اس پر طاری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بزدلوں کی طرح انھیں اپنے حوصلے کو قائم رکھنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت تھی۔ کیا یہ سب اس کا غماز نہیں کہ وہ بخوبی اپنے دل میں اس بات کو جانتے تھے کہ وہ لوگ ایک انتہائی غلط کام میں تعاون کر رہے تھے۔

وہ سینئر صحافی جو بہتر طور پر جانتے ہوں گے کہ ان کے بتائے ہوئے جھوٹے بیانات کے برعکس افضل گورو ان دہشت گردوں میں شامل نہیں تھا جنہوں نے ۱۳ دسمبر ۲۰۰۱ء کو پارلیمنٹ پر حملہ کیا تھا اور جنہوں نے سیکورٹی اہل کاروں پر گولی چلائی تھی جس میں چھ ہلاک ہونے والوں میں سے تین کو اس نے گولی ماری (یہ بات بی جے پی کے راجیہ سبھا کے ایم پی چندن مترانے ۷ اکتوبر ۲۰۰۶ء کے دی پانڈیر میں کہی)۔ حتیٰ کہ پولیس کی چارج شیٹ بھی اس پر یہ الزام نہیں لگاتی۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ شہادتیں صرف قرائن پر ہیں۔ اس طرح کی سازشوں میں عام طور پر یہ ہوتا

ہے کہ مجرمانہ سازش کے لیے کوئی براہ راست ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ آگے چل کر کہا گیا ہے کہ اس واقعے نے جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں اموات ہوئیں، پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا اور معاشرے کا اجتماعی ضمیر اسی صورت میں مطمئن ہوگا، جب کہ مجرم کو سزائے موت دی جائے۔ پارلیمنٹ پر حملے کے مقدمے میں کس نے اجتماعی ضمیر کو بنایا؟ کیا یہ صرف اخبارات کی خبریں ہیں؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے یہ حقائق اخبارات سے اخذ کیے یا ان فلموں سے جو ہم ٹی وی پر دیکھتے تھے؟

پھر اس کا ایک پس منظر ہے۔ دوسرے بہت سے ہتھیار ڈالنے والے جنگ جوؤں کی طرح افضل گورو کے ساتھ کشمیر میں تعذیب، بلیک میل یا استحصال کرنا آسان تھا۔ وسیع تر اسکیم میں وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اگر کوئی پارلیمنٹ کے حملے کے راز کو واقعی حل کرانے میں دل چسپی رکھتا تھا تو اس کے لیے شہادتوں کی بڑی تعداد ایک سراغ کی طرح تھی جس کی پیروی کی ضرورت تھی، یہ کسی نے نہ کیا۔ اس طرح یہ یقینی ہو گیا کہ سازش کے اصل کردار شناخت نہ کیے جاسکیں گے اور ان کے خلاف تفتیش بھی نہیں ہوگی۔ اب، جب کہ افضل گورو کو پھانسی دی جا چکی ہے، مجھے اُمید ہے کہ ہمارا اجتماعی ضمیر، مطمئن ہو چکا ہے یا ہمارے اجتماعی ضمیر کا پیالہ ابھی تک خون سے صرف آدھا ہی بھرا ہے؟

بھارت کے روزنامہ دی ہندو نے افضل گورو کی پھانسی کو انصاف نہیں انتقام قرار دیا ہے۔ ادارتی کالم میں ۱۰ فروری ۲۰۱۳ء کے شمارے میں کہا گیا ہے کہ:

آٹھ سال گزرنے کے بعد سپریم کورٹ نے محمد افضل گورو کو ۲۰۰۱ء کے پارلیمنٹ کے حملے کے کردار کی بنیاد پر پارلیمنٹ ہاؤس حیرت ناک طور پر یہ کہتے ہوئے کہ: معاشرے کے اجتماعی ضمیر کو صرف اسی صورت میں مطمئن کیا جاسکتا ہے کہ ملزموں کو سزائے موت دی جائے، پھانسی کی سزا دی۔ گورو کو اس ہولناک رسم کی ادائیگی کے لیے ہفتے کی صبح پھانسی کے تختے تک لے جایا گیا جو حکومتیں وقتاً فوقتاً روایتی دیوتاؤں کے غیض و غضب کی تسکین کے لیے ادا کرتی ہیں اور آج یہ دیوتا انتقام کے طالب عوام بن گئے ہیں۔ اس وحشت ناک اور خفیہ حرکت کے نتیجے میں بھارت کا قد دُنیا میں بہت زیادہ چھوٹا

کر دیا گیا ہے۔ اس سزا کی وجوہات صرف وہ نہیں جو بظاہر نظر آتی ہیں بشمول اس کے کہ گورو پارلیمنٹ پر حملے میں ایک بالکل معمولی سا کردار تھا جس کا مقدمہ ضابطے کی خلاف ورزیوں اور جوہری اہمیت کی حامل غلطیوں کی وجہ سے خراب ہو گیا ہو۔ سزائے موت کے لیے دیے جانے والے دلائل کا ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ نے جائزہ لیا اور ان کو معیار سے کم تر پایا۔ لیکن ایک دلیل جس کا کھل کر جائزہ نہیں لیا گیا (اور جو فیصلہ کن دلیل بنی) وہ وہی تھی جس کی بنا پر گورو اور دیگر بھارتی شہریوں کو تختہ دار پر لے جایا جاتا ہے اور وہ ہے مصلحت۔ گویا پھانسی کی سزا کو ترجیح دیے جانے کے سوال کے جواب کا تعلق بڑی حد تک مصلحت سے ہے، اور انصاف سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بھارت کا سب سے سنجیدہ رسالہ اکانومک اینڈ پولیٹیکل ویکلی ہے، جو اپنے ۲۳ فروری ۲۰۱۳ء کے شمارے میں ادارتی کالم میں افضل گورو کی پھانسی کو انصاف کا خون اور بھارتی حکومت کے دامن پر بدنما دھبہ قرار دیتا ہے۔ پھانسی کے فیصلے، پھانسی دیے جانے کے ڈرامے اور پھانسی کے بعد جس طرح حالات کو سیاسی مصلحتوں کا کھیل بنایا گیا، اس پر موثر احتساب کرتا ہے:

۹ فروری کی صبح افضل گورو کی پھانسی موجودہ حکومت کے خراب ٹریک ریکارڈ پر شاید تاریک ترین دھبہ ہے۔ افضل گورو کا قتل غیر قانونی اور ملکی قوانین کی رو سے رُسوا کن تھا۔ افضل گورو کی ہلاکت غیر قانونی ہے اور اس جمہوری حکومت کے قوانین کے لیے بھی رُسوا کن ہے۔ صدر سے رحم کی اپیل کے مسترد ہونے کو خفیہ رکھا گیا، اس کے خاندان اور وکلا کو آگاہ نہ کیا گیا اور ایک مجرم کی حیثیت سے اسے جو حقوق حاصل تھے انھیں استعمال کرنے کی اجازت نہ دی گئی، رحم کی اپیل مسترد ہونے پر اپیل کا حق نہ دیا گیا، اپنے اہل خانہ سے ملنے نہ دیا گیا اور آخری خواہش کے اظہار کا موقع بھی نہ دیا گیا۔ حکومت نے حیران کن مکارانہ اقدام کے تحت اس کی پھانسی کی اطلاع سپیڈ پوسٹ کے ذریعے اس طرح سے دی کہ وہ اس کے خاندان کو پھانسی کے بعد اس وقت ملے جب وہ ٹیلی ویژن پر اس کی خبر سن چکے ہوں۔ یہ محض ہیومن رائٹس کے علم بردار ہی نہیں بلکہ گویا لبرل سبرائینم، سرکاری وکیل جس نے گورو کے خلاف مقدمہ لڑا، کا کہنا ہے کہ انسانی



حقوق اور قانون کی بالادستی کے حوالے سے یہ حکومت کی 'بہت بڑی فروگزاشت' ہے۔ گورو کی پھانسی کے مسئلے کو اگر ایک طرف رکھ بھی دیا جائے تب بھی کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ حکومت نے وادی کشمیر کی پوری آبادی کو اجتماعی سزا کا نشانہ بنایا اور اس کی پھانسی کے نتیجے میں لگنے والے کرفیو کی وجہ سے عوام ضروری اشیاء، دواؤں اور خبروں سے بھی محروم ہو گئے جو شہریوں کے ان حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہے جن کی ضمانت دستور نے شہریوں کو دی ہے۔ حد یہ ہے کہ خود دار حکومت (یعنی دہلی) میں بھی پولیس نے غیر قانونی طور پر اس (یعنی افضل گورو) کے بہت سے حمایتیوں اور ان کے بچوں تک کو کسی متعین الزام کے بغیر گرفتار کیا۔ گویا حکومت نے نمائشی طور پر قانون کے پردے (fig leaf) کو نظر انداز کر دیا اور عوام سے بالکل اس طرح معاملہ کیا جس طرح کوئی غنڈا کرتا ہے۔

ایسے اقدام کا لازمی نتیجہ ہے کہ لوگ دُور سے دُور ہوتے جائیں اور ان کے اور حکومت کے درمیان مغائرت ہی میں اضافہ ہو، اور یہ دُوری صرف کشمیر کے لوگوں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ لوگ بھی اس کا شکار ہوں گے جن کو اس حکومت سے یہ توقع تھی کہ وہ روشن خیالی پر کاربند ہے خواہ یہ روشن خیالی کتنی ہی جزوی اور کچی پکی ہی کیوں نہ ہو۔

امریکی روزنامہ انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون میں بھارت کے ایک صحافی مانو جوزیف نے پورے مسئلے پر بڑا بھرپور تبصرہ کیا ہے اور افضل گورو کے مقدمے اور حکومت کی کارکردگی اور اس کے تضادات پر چچی تلی تنقید کی ہے لیکن سب سے اہم سوال جو اس نے اٹھایا ہے وہ بھارت کے نظام عدالت کے قابل بھروسا ہونے سے متعلق ہے'

افضل گورو کی پھانسی جس نے اس کے خاندان کو صدمے سے دوچار کیا ہے اس نے پوری قوم کو بھی حیرت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہاں، اس پر مختلف پارٹیوں کے سیاست دانوں نے خوشی کا اظہار کیا ہے اور عام شہریوں نے بھی۔ یہ کیسی دنیا ہے جو ایک طرف افضل کے بارے میں فتویٰ دیتی ہے کہ وہ اس زمین پر زندہ رہنے کے لیے موزوں نہیں، وہیں یہ ایک انسان کی موت پر جشن تک منانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ البتہ یہ بھی ایک

حقیقت ہے کہ ایسے لوگ بھی بہت بڑی تعداد میں تھے جو اس پر نالاں اور متنفر تھے اور انھوں نے احتجاج بھی کیا۔ اور ان لوگوں کا تعلق محض وادی کشمیر سے نہ تھا جو افضل کی جائے پیدائش ہے اور جہاں کر فیو لگا ہوا تھا۔ اس پھانسی نے بڑے بنیادی سوالات اٹھا دیے ہیں جو ایک بڑی تعداد کے لیے وجہ تشویش بن گئے ہیں۔ اگر ان تمام سوالات کو ایک جملے میں سمودیا جائے تو ان کا حاصل یہ تشویش ناک صورت ہے کہ:

کیا بھارت کا نظام انصاف معیاری ہے، اور یہ کہ کیا اس کی اخلاقی سند (moral authority) اس امر کے لیے تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس کے حکم پر ایک انسانی جان کو ختم کیا جاسکے؟

محمد افضل گورو کی شہادت نے بھارت کے جمہوریت اور انصاف اور قانون کی بالادستی کے دعووں کی قلعی کھول دی ہے اور اس پالیسی کو بے نقاب کر دیا ہے جسے ریاستی دہشت گردی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ بظاہر اس پھانسی پر بھارت کے سیاسی حلقوں میں خوشی کے شادیاں بجائے جارہے ہیں لیکن فی الحقیقت یہ اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہے اور ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کا ذریعہ بن سکتا ہے جو بھارت سے خیر کی توقع رکھتے ہیں۔

جس طرح افضل گورو کو پھانسی دی گئی ہے اس پر دنیا میں بھارت کے عالمی شہرت کے ایک ماہر قانون فالی ایس نریمان نے برملا کہا ہے: ہمارا بدترین دشمن بھی اس سے بہتر نہیں کر سکتا تھا جس طرح یہ کیا گیا۔ یہ بعض کے لیے ایک بد قسمتی تھا اور اس کے نتیجے میں بھارتی ریاست نے اپنے کو چھوٹا کر لیا ہے اور اُمیدوں کے کم ترین معیار کو اختیار کرنے میں بھی ناکام رہی ہے۔

کشمیر: خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کی ضرورت

جہاں تک کشمیر کی تحریک آزادی کا تعلق ہے ہمیں یقین ہے کہ اس قسم کے ہتھکنڈوں سے نہ ماضی میں اسے دبایا جاسکا ہے اور نہ مستقبل میں اسے کوئی نقصان پہنچانا ممکن ہوگا۔ اس لیے کہ ظلم اور استبداد کی چیرہ دستیاں حق پرستوں کا راستہ کبھی نہیں روک سکی ہیں اور آزادی کی تحریکیں خون کے ایسے ہی سمندروں کو عبور کر کے اپنی منزل کا سراغ پاتی رہی ہیں۔ ان شاء اللہ یہ خونیں واقعہ کشمیر کے مسئلے کو عالمی سطح پر ایک بار پھر توجہ کا مرکز بنانے کا ذریعہ بن سکتا ہے بشرط کہ پاکستان کی حکومت

اور امت مسلمہ کی قیادتیں اپنے کشمیری بھائیوں کی اس مبنی برحق جدوجہد میں اپنا کردار ادا کریں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھارت نے اس خاص موقع پر یہ اقدام کیوں کیا؟ ہماری نگاہ میں اس کی وجہ بھارت کی وہ بوکھلاہٹ ہے اور آنے والے حالات کے باب میں اس کا وہ ادراک ہے جو پاکستان اور علاقے کی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کی بنا پر وہ محسوس کر رہا ہے۔ پاکستان میں جنرل پرویز مشرف کے دور میں کشمیر کے سلسلے میں جو فلا بازیاں کھائی گئیں اور بھارت کے سلسلے میں جس پسپائی کا رویہ اختیار کیا گیا اور جسے زرداری دور میں زیادہ بھونڈے انداز میں جاری رکھا گیا ہے، صاف نظر آ رہا ہے کہ اب اس سلسلے کا جاری رہنا محال ہے۔

چند مہینوں میں نئے انتخابات کے نتیجے میں نئی سیاسی قیادت برسر کار آئے گی اور وہ امریکا اور بھارت دونوں کے بارے میں موجودہ پالیسیوں پر بنیادی نظر ثانی کرے گی۔ افغانستان سے امریکا اور نائٹو کی افواج کی واپسی کی وجہ سے بھی علاقے کے حالات میں بڑی تبدیلیاں آنے والی ہیں۔ عالم اسلام کے حالات بھی بدل رہے ہیں۔ ترکی، مصر، تیونس اور دوسرے ممالک میں ہونے والی تبدیلیوں نے پورے علاقے کے زمینی حکمت عملی (geo-strategic) کے نقشے کو بدل ڈالا ہے۔ مصر میں فروری ۲۰۱۳ء میں منعقد ہونے والی او آئی سی کانفرنس میں عالم اسلام کے مسائل کے ساتھ کشمیر کو نمایاں حیثیت دی گئی ہے۔ خود پاکستان میں اس سال ۵ فروری کو جس جوش اور ولولے سے کشمیر سے ایک جہتی کے دن کے طور پر منایا گیا ہے وہ آنے والے دور کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔ افغانستان میں امریکا نے بھارت کو جو رول دیا تھا، وہ بھی اب معرض خطر میں ہے اور پاکستان کی موجودہ ناکام کشمیر پالیسی میں بھی تبدیلی ناگزیر ہے۔ نیز بھارت کے اپنے اندرونی سیاسی حالات جن میں اگلے سال ہونے والے انتخابات اور بی جے پی کی نئی سیاست اہم ہیں، کانگریس حکومت کی بوکھلاہٹ کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں بھارت نے ایک بار پھر قوت سے آزادی کشمیر کی تحریک کو دبانے کا اشارہ دیا ہے، لیکن اس کی حیثیت ایک ناکام پالیسی کو ایک بار پھر آزمانے کی حماقت سے زیادہ نہیں ہے۔ تاریخ کا ایک تلخ سبق یہ ہے جن کو طاقت کا گھمنڈ ہو جاتا ہے وہ تاریخ سے کم ہی سبق سیکھتے ہیں اور وہی غلطیاں بار بار کرتے ہیں جو ماضی میں اقوام کی تباہی کا سبب بنی ہیں۔ ہم پاکستان اور مسلم

اُمت کی قیادت کو دعوت دیتے ہیں کہ بھارت کے اس اقدام کے پس منظر میں غور کریں اور مقابلے کی حکمت عملی بنانے پر توجہ دیں۔

یہ بہت ہی افسوس ناک ہے کہ افضل گورو کی شہادت پر جو رد عمل پاکستان کی قیادت کی طرف سے آنا چاہیے تھا وہ نہیں آیا۔ بلاشبہ عوام اور اسلامی قوتوں نے اس کی بھرپور مذمت کی ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ صدر، وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کو یہ توفیق بھی نصیب نہ ہوئی کہ واضح الفاظ میں اور پوری شدت کے ساتھ اس کی مذمت کرتے اور کشمیری عوام سے یک جہتی کا اظہار کرتے۔ وزارت خارجہ کا بھی ایک کمزور رد عمل واقعہ سے ۴۸ گھنٹے کے بعد آیا ہے جو لمحہ فکریہ ہے۔

پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کشمیر پالیسی پر فوری نظر ثانی کرے جس پر حکومت گذشتہ ۱۲ سال سے عمل پیرا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں سیز فائر کے نام پر جو قلابازی کھائی گئی تھی اس نے تحریک آزادی کشمیر کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ بھارت نے اسرائیل کی مدد سے بارڈر کو سیل کر دیا ہے اور ایسی الیکٹرانک دیوار بنا دی ہے جس نے کشمیری عوام کی مشکلات میں اضافہ اور پاکستان کی حکمت کاری کے وزن (strategic leverage) کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ پھر جنگ آزادی اور دہشت گردی کے جوہری فرق کو نظر انداز کر کے پاکستان نے اس کشمیر پالیسی کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے جس پر قائد اعظم کے وقت سے لے کر آج تک قومی اتفاق راے تھا۔ جنوری ۲۰۰۳ء کا مشرف واجپائی معاہدہ ہماری قومی کشمیر پالیسی کو صحیح رخ سے ہٹانے (derail) کا ذریعہ بنا اور پھر اقوام متحدہ کی قراردادوں کو نظر انداز (by-pass) کرنے اور روایت سے ہٹ کر حل (out of box solution) کی تلاش میں ہماری سیاسی قیادت نے وہ بھی ایک غلطیاں کی ہیں جس نے پاکستان کی سلامتی خطرے میں ڈال دی ہے اور ہمارے اسٹریٹجک مفادات بُری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔

ان حالات میں وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مشرف اور زرداری دور کی خارجہ پالیسی کو ترک کر کے پاکستان کے مقاصد اور مفادات کی روشنی میں حقیقی طور پر آزاد خارجہ پالیسی تشکیل دی جائے جس میں ملک کے نظریاتی، سیاسی، معاشی، تہذیبی اور سیکورٹی کے حساس پہلوؤں کا ٹھیک ٹھیک احاطہ کیا جاسکے۔ یہ پالیسی پاکستان کی خارجہ پالیسی ہو، پاکستان کے لیے ایسی خارجہ پالیسی نہ

ہو جس کی تشکیل پروٹیکشن، لندن اور دبئی کا سایہ ہو۔ ہماری پالیسی پاکستان میں اور وہ بھی اسلام آباد میں عوام کی مرضی اور خواہشات کے مطابق پارلیمنٹ کے ذریعے بنائی جائے۔ ملک عزیز کو دوسروں پر محتاجی کی دلدل سے نکلا جائے اور خود انحصاری کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اس کا مقصد پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی، جمہوری، فلاحی اور وفاقی ریاست بنانا ہو۔ فطری طور پر اس میں کشمیر کی بھارت کے قبضے سے آزادی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر کے مستقبل کے حل کو ایک مرکزی مقام حاصل ہوگا۔ نائن الیون کے بعد اختیار کی جانے والی کشمیر پالیسی جنرل پرویز مشرف کی اُلٹی زقند اور ژولیدہ فکری کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی منزل سے کوسوں دُور جا پڑے ہیں۔ کشمیر کے عوام پاکستان سے دلی لگاؤ رکھنے کے باوجود پاکستان کی حکومت اور اس کی پالیسیوں سے مایوس ہو رہے ہیں اور خصوصیت سے نئی نسل پریشان اور سرگرداں ہے۔ یہ وقت ہے کہ پاکستان کی نئی قیادت کشمیر پالیسی کی تشکیل نو کرے اور اس پالیسی کو بروے کار لائے جو پاکستان اور کشمیری عوام کی اُمٹوں سے مطابقت رکھتی ہے۔ مسئلہ کشمیر کے تین فریق ہیں، پاکستان، بھارت اور کشمیر کے عوام۔ اور اصل فیصلہ کشمیر کے عوام کو کرنا ہے، اور یہ سامنے رکھ کر کرنا ہے کہ ان کے مفادات کا بہتر حصول کس انتظام میں ممکن ہے اور ان کا مستقبل کس صورت میں روشن ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے پاکستان کی کشمیر پالیسی کو جموں اور کشمیر کے عوام کے جذبات، احساسات اور عزائم کی روشنی میں مرتب ہونا چاہیے جو مشترک سوچ پر مبنی اور مشترک جدوجہد سے عبارت ہو۔ کشمیر کو اب کسی طور پس پشت نہیں ڈالا جاسکتا۔ حالات میں جیسے کہ اُبال آ رہا ہے اور پھٹ پڑنے کو تیار ہیں۔ موجودہ چیلنج کا مقابلہ بالغ نظری کے ساتھ باہم مشاورت ہی سے کرنا ہوگا تاکہ ایک بہتر مستقل انتظام کی راہ ہموار ہو سکے۔ محمد افضل گورو کی شہادت نے ایک تاریخی موقع فراہم کیا ہے۔

کیا پاکستان اور کشمیر کے عوام اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے، اور کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کو ایک ایسا آہنگ دینے کی کوشش کریں گے جو مجاہدین کی قربانیوں کے شایان شان ہو؟